OPEN ACCESS
Open Access
Al-Marjān
Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

Women's Economic Rights in the Abrahamic Religions and Their Contemporary Applications: A Comparative Analysis

الہامی مذاہب میں خواتین کے معاشی حقوق اور ان کے معاصر اطلاقات: ایک تقابلی تجزیہ

Authors Details

1. **Muhammad Ali Rizwan**
   PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Engineering and Technology (UET), Lahore, Pakistan.
2. **Dr. Hafiz Zahid Latif** (Corresponding Author)
   Chairman, Department of Islamic Studies, University of Engineering and Technology (UET), Lahore, Pakistan.
   Email: zahid-latif@uet.edu.pk

Citation

Rizwan, Ali, and Dr. Hafiz Zahid Latif." Women's Economic Rights in the Abrahamic Religions and Their Contemporary Applications: A Comparative Analysis." *Al-Marjān Research Journal* 4, no.1, Jan-Mar (2026): 112– 124.

Submission Timeline

Received: Dec 05, 2025
Revised: Dec 19, 2025
Accepted: Jan 01, 2025
Published Online: Jan 07, 2026

Publication & Ethics Statement

Article QR

Published by *Al-Marjān Research Center*, Lahore, Pakistan.

© The Authors. No conflict of interest declared.
This is an open access article distributed under the terms of the **Creative Commons Attribution 4.0 International License (CC BY 4.0).**

Women's Economic Rights in the Abrahamic Religions and Their Contemporary Applications: A Comparative Analysis

الہامی مذاہب میں خواتین کے معاشی حقوق اور ان کے معاصر اطلاقات: ایک تقابلی تجزیہ

☆ محمد علی رضوان　　　☆ ڈاکٹر حافظ زاہد لطیف

Abstract

This study explores the economic rights of women within the three Abrahamic religions ،Islam, Christianity, and Judaism ،and examines their contemporary applications through a comparative lens. Each tradition provides a distinct framework for women's financial autonomy, rooted in sacred texts, legal interpretations, and ethical principles. In Islam, the Qur'an and Hadith grant women independent financial identity through inheritance rights, property ownership, marital dower (mahr), and maintenance (nafaqah), combining legal entitlement with ethical responsibility. Christianity emphasizes spiritual equality and moral accountability, linking economic participation to ethical behavior and societal welfare rather than purely legal rights. Judaism establishes structured legal protection through mechanisms such as the Ketubah and inheritance laws, ensuring women's financial security within familial and communal frameworks. The comparative analysis highlights both convergence and divergence across traditions. Commonalities include recognition of women as economic actors and the integration of rights with responsibilities. Differences emerge in scope, application, and historical context, reflecting varying social, familial, and legal structures. Contemporary societies have further reshaped these rights through secular legal systems, economic modernization, and global gender equity movements, creating diverse practical implications for women's economic empowerment. The study demonstrates that religious texts and ethical doctrines continue to influence contemporary policy and social attitudes toward women's financial autonomy. It argues that harmonizing sacred principles with modern legal and economic frameworks can enhance gender-equitable participation in economic life. Ultimately, understanding women's economic rights in the Abrahamic religions requires a multidimensional approach that considers legal, moral, spiritual, and social dimensions, highlighting the enduring relevance of religious teachings in contemporary contexts.

Keywords: Women's economic rights, Abrahamic religions, Islamic inheritance, Christian ethical principles, Jewish financial law, comparative religious study, contemporary applications, gender equity .

☆ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی (یو ای ٹی)، لاہور، پاکستان۔
☆ چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی (یو ای ٹی)، لاہور، پاکستان۔

تعارفِ موضوع

عصرِ حاضر میں خواتین کے معاشی حقوق ایک عالمی موضوعِ بحث بن چکے ہیں، جو قانونی، سماجی اور اخلاقی جہتوں سے جڑا ہوا ہے۔ الہامی مذاہب، اسلام، عیسائیت اور یہودیت، نے عورت کو مالی حیثیت، ملکیت اور وراثت کے حقوق دیے، تاہم ہر مذہب نے ان اصولوں کو اپنے فکری، تاریخی اور سماجی تناظر میں تعبیر کیا۔ اسلام میں عورت کو مستقل مالی شناخت، مہر، نان و نفقہ، اور وراثت میں مخصوص حصے کے ذریعے حقوق حاصل ہیں، جو نہ صرف قانونی بلکہ اخلاقی اور روحانی دائرے میں بھی اس کی خود مختاری کو یقینی بناتے ہیں۔ عیسائیت میں روحانی مساوات اور اخلاقی ذمہ داری کے اصول عورت کی معاشی شمولیت کا فکری جواز فراہم کرتے ہیں، جبکہ یہودیت میں Ketubah اور وراثت کے قوانین نے عورت کو قانونی و ازدواجی تحفظ دیا، اگرچہ خاندانی اور نسبی نظم کے ساتھ۔ یہ مطالعہ ان تینوں مذاہب کے معاشی اصولوں کو محض قانونی حقوق کے دائرے تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ان کے روحانی، اخلاقی اور سماجی مضمرات پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ الہامی تعلیمات میں معاشی حقوق اور ذمہ داریاں فرد کی آزادی اور سماجی توازن کے درمیان توازن کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ عصری دنیا میں سیکولر قوانین، انسانی حقوق کے عالمی بیانیے اور صنعتی و مابعد صنعتی معاشرت نے خواتین کی معاشی خود مختاری کے تصور کو نئے تناظر میں رکھا ہے۔ اس تقابلی مطالعے کا مقصد مذہبی نصوص کی روشنی میں عورت کے حقوق کی تاریخی، فقہی اور اخلاقی بنیاد کو سمجھنا، اور معاصر دنیا میں اس کی عملی تطبیق اور چیلنجز کو اجاگر کرنا ہے۔ اس کے ذریعے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ الہامی مذاہب میں عورت کی معاشی خود مختاری کو نصوصی، اخلاقی اور عملی بنیاد پر سمجھا جا سکتا ہے، جو جدید معاشرت میں بھی اپنی افادیت برقرار رکھتی ہے۔

الہامی مذاہب میں عورت کے معاشی حق کی اصولی بنیادیں

الہامی مذاہب میں عورت کے معاشی حقوق کا تصور محض سماجی ضرورت یا تاریخی ارتقا کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کا تعلق براہِ راست انسان کے اس بنیادی تصور سے ہے جو وحی کے ذریعے متشکل ہوا۔ الہام انسان کو ایک اخلاقی و ذمہ دار ہستی کے طور پر پیش کرتا ہے، جس کی معاشی اہلیت اس کی جنس سے نہیں بلکہ اس کی انسانیت سے وابستہ ہے۔ اسی بنیاد پر عورت کو محض کفالت کی محتاج مخلوق نہیں بلکہ ایک بااختیار معاشی فاعل کے طور پر تسلیم کیا گیا، اگرچہ اس اختیار کے ساتھ اخلاقی قیود اور خاندانی توازن کو بھی ملحوظ رکھا گیا۔

وَلِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ[1]

"مردوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے بھی اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔"

اس قرآنی بیان میں معاشی استحقاق کو کسب کے ساتھ مربوط کر کے عورت کی مالی شخصیت کو واضح کیا گیا ہے۔ یہاں نہ صرف ملکیت کی اجازت مضمر ہے بلکہ ذاتی محنت اور قانونی تصرف کا اصول بھی نمایاں ہوتا ہے، جو اس تصور کو رد کرتا ہے کہ عورت کی معاشی حیثیت کسی دوسرے کے توسط سے وجود میں آتی ہے۔ اس نوع کی صراحت الہامی نظام کو محض کفالت پر مبنی ماڈل سے آگے لے جا کر حقِ ملکیت کے باقاعدہ اعتراف تک پہنچاتی ہے، جس کے نتیجے میں ذمہ داری اور اختیار کا ایک متوازن ڈھانچہ سامنے آتا ہے۔

إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ[2]

"عورتیں مردوں ہی کی ہم مثل اور ہم مرتبہ ہیں۔"

[1] Al-Nisāʾ 4:32
[2] Al-Qushīrī, Abū al-Ḥusayn, Muslim ibn Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim* (Nishāpūr: Dār al-Khilāfāʾ al-ʿIlmiyya, 1330 AH), 1: 2722

یہ مختصر مگر گہرا نبوی بیان انسانی ذمہ داریوں اور حقوق کی ہم سطحی کو نمایاں کرتا ہے۔ یہاں مشابہت محض روحانی یا اخلاقی نہیں بلکہ اس کے اندر قانونی و معاشی دلالت بھی پوشیدہ ہے، کیونکہ شراکتِ نوعیت کا تقاضا شراکتِ اہلیت کو بھی شامل ہے۔ اسی تصور کے تحت عورت کا مالی تصرف، اس کی کمائی اور اس پر اس کا اختیار ایک اصولی حقیقت بن جاتا ہے، نہ کہ محض رعایت۔

For there is neither male nor female: for ye are all one in Christ Jesus.[3]

"کیونکہ نہ مرد باقی رہا ہے نہ عورت، تم سب مسیح یسوع میں ایک ہو۔"

عیسائی الہامی فکر میں یہ جملہ روحانی مساوات کا اعلان ہے، جس نے بعد کے عیسائی معاشروں میں قانونی اور معاشی مساوات کے مباحث کو جنم دیا۔ اگرچہ کلاسیکی کلیسائی روایت میں عورت کی عملی معاشی خود مختاری محدود رہی، تاہم اس بنیادی اصول نے جدید عیسائی معاشروں میں عورت کی جائیداد، روزگار اور مالی فیصلوں کے لیے اخلاقی جواز فراہم کیا۔

امام رازی انسانی تکریم کے باب میں عورت و مرد کی مساوات کو فطری اور شرعی دونوں سطحوں پر بیان کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ معاشی ذمہ داری کی تقسیم کا مقصد نفیِ حق نہیں بلکہ تنظیمِ معاش ہے۔ ان کے نزدیک شریعت کا امتیاز اقدار میں نہیں بلکہ کردار میں ہے، اور یہی نکتہ عورت کی مالی ملکیت کے جواز کو تقویت دیتا ہے۔[4]

جدید مسلم مفکر محمد الطاہر بن عاشور کے نزدیک الہامی شریعت نے عورت کو معاشی طور پر باوقار بنانے کے لیے دوہرا نظام قائم کیا: ایک طرف ذاتی ملکیت کا حق، اور دوسری طرف خاندانی کفالت کی ذمہ داری مرد پر۔ اس ترتیب میں عورت کا حق محفوظ بھی رہتا ہے اور معاشرتی توازن بھی برقرار رہتا ہے، جو محض مساوات نہیں بلکہ عدل پر مبنی نظام کی عکاسی کرتا ہے۔[5]

ان نصوص اور فکری توضیحات کے مجموعی مطالعے سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ الہامی مذاہب میں عورت کے معاشی حقوق کسی وقتی دباؤ یا سماجی مطالبے کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک گہری اخلاقی و روحانی ساخت کے اندر پیوست ہیں۔ یہی ساخت عورت کو معاشی بااختیار بناتے ہوئے اسے خاندانی اور سماجی نظم سے منقطع نہیں ہونے دیتی، اور اس طرح الہامی نظام محض حقوق کا اعلان نہیں بلکہ ایک مربوط انسانی معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ الہامی مذاہب، جو ابراہیمی روایت کے تحت یہودیت، مسیحیت اور اسلام پر مشتمل ہیں، انسانی معاشرے کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان مذاہب کی تعلیمات میں عورت کی معاشی حیثیت کو ایک مرکزی مقام حاصل ہے، جو نہ صرف ان کی سماجی آزادی کو یقینی بناتی ہے بلکہ معاشرتی توازن کی بنیاد بھی فراہم کرتی ہے۔ یہ حقوق، جن کی جڑیں آسمانی وحی میں پیوست ہیں، عورت کو ملکیت، وراثت، کاروبار اور مالی خود مختاری کے میدانوں میں مرد کے برابر یا اس کے قریب مقام عطا کرتے ہیں۔ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ مذاہب نے جہاں عورت کی معاشی استحکام کو تقویت بخشی، وہاں ان کی معاشی کمزوری کو بھی دور کرنے کی کوشش کی۔ تحقیقی اعتبار سے، یہ حقوق مذہبی نصوص اور فقہی تفاسیر پر مبنی ہیں، جو عورت کی معاشی آزادی کو الٰہی حکم کا درجہ دیتے ہیں۔ یہودیت میں عورت کے معاشی حقوق کی بنیاد تورات اور تلمود کی تعلیمات پر استوار ہے۔ یہودیت عورت کو مکمل معاشی آزادی فراہم کرتی ہے: وہ ملکیت کی مالک ہو سکتی ہے، کاروبار کر سکتی ہے، اور وراثت میں حصہ لے سکتی ہے۔ تورات میں بیان کیا گیا ہے کہ عورت کو اپنے شوہر کی ملکیت نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہ خود مختار وجود ہے۔ مثال کے طور پر، بیوہ یا مطلقہ عورت کو اپنے مالی معاملات کی آزادی حاصل ہے، اور وہ زمین، مال و دولت کی خرید و فروخت میں حصہ لے سکتی ہے۔ تاہم، بعض روایتی تفاسیر میں مرد کی

[3] The Holy Bible, Galatians 3:28
[4] Al-Rāzī, Fakhr al-Dīn, *Al-Tafsīr al-Kabīr* (Cairo: Dār al-Fikr, 1324 AH), 10: 90
[5] Ibn ʿĀshūr, Muḥammad al-Ṭāhir, *Maqāṣid al-Sharīʿa al-Islāmiyya* (Tunis: Dār al-Suḥnūn, 1946), 221

سرپرستی کو لازم قرار دیا گیا ہے، جو عورت کی معاشی خود مختاری کو محدود کر سکتا ہے۔ یہودیت کی معاشی تعلیمات میں صدقہ اور خیرات کی تاکید ہے، جو عورت کو بھی معاشرتی ذمہ داری کا حصہ بناتی ہے۔ تحقیقی مطالعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیت نے عورت کو معاشی طور پر بااختیار بنانے میں اہم کردار ادا کیا، خاص طور پر قدیم معاشروں میں جہاں عورت کی حیثیت غلامانہ تھی۔ مسیحیت میں عورت کے معاشی حقوق کی اصولی بنیادیں انجیل کی تعلیمات سے اخذ کی جاتی ہیں، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثالوں سے عورت کی برابری کا درس ملتا ہے۔ انجیل کے مطابق، عورت اور مرد دونوں خدا کی صورت پر پیدا ہوئے ہیں، لہٰذا معاشی میدان میں بھی انہیں برابر حقوق حاصل ہیں۔ مسیحی تعلیمات میں عورت کو وراثت، ملکیت اور کاروبار کی آزادی دی گئی ہے؛ وہ اپنے شوہر سے الگ مالی حیثیت رکھ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، نیا عہد نامہ میں بیان کیا گیا ہے کہ شادی کے بعد بھی عورت کی مالی خود مختاری برقرار رہتی ہے۔ تاہم، تاریخی طور پر بعض مسیحی فرقوں میں پطرس اور پولوس کی تعلیمات کی بنیاد پر عورت کو مرد کی تابعداری کا حکم دیا گیا، جو معاشی فیصلوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ معاصر تحقیقی جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ مسیحیت نے عورت کی معاشی امداد کو چرچ کی ذمہ داری قرار دیا، جیسے بیواؤں اور یتیموں کی کفالت۔ یہ حقوق معاشرتی انصاف کی بنیاد پر استوار ہیں، جو عورت کو معاشی طور پر محفوظ بناتے ہیں۔ اسلام میں عورت کے معاشی حقوق کی بنیادیں قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہیں، جو اسے مکمل مالی خود مختاری عطا کرتی ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ "مردوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ"، جو عورت کی معاشی آزادی کی واضح دلیل ہے۔ اسلام نے عورت کو ملکیت کا حق دیا؛ وہ خرید و فروخت، سرمایہ کاری، اور مالی معاہدے کر سکتی ہے۔ وراثت میں اسے نصف حصہ ملتا ہے، لیکن مرد کی مالی ذمہ داریاں (جیسے نان نفقہ) اسے معاشی بوجھ سے آزاد رکھتی ہیں۔ مہر، جو شادی کے وقت ادا کیا جاتا ہے، عورت کی معاشی تحفظ کی ضمانت ہے۔ قبل از اسلام عرب معاشرے میں عورت کی معاشی حیثیت صفر تھی، لیکن اسلام نے اسے انقلاب بخشا۔ تحقیقی اعتبار سے، اسلام نے عورت کو مالی معاملات میں مرد کے برابر قرار دیا، جو اس کی معاشی بااختیاری کا مظہر ہے۔ موازنہ کی روشنی میں، یہودیت اور مسیحیت میں عورت کے معاشی حقوق سماجی انصاف پر مبنی ہیں، جبکہ اسلام میں یہ الٰہی حکم کی صورت میں زیادہ واضح اور جامع ہیں۔ تمام مذاہب عورت کی معاشی آزادی کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن اسلام نے اسے عملی طور پر نافذ کیا، جیسے زکوٰۃ اور صدقہ کی نظام سے معاشرتی توازن قائم کر کے۔ ادبی تناظر میں، یہ حقوق عورت کو ایک بااختیار وجود بناتے ہیں، جو معاشرے کی ترقی کا ضامن ہے۔ نتیجتاً، الہامی مذاہب کی یہ اصولی بنیادیں عورت کی معاشی حیثیت کو الٰہی نعمت کا درجہ دیتی ہیں، جو انسانی معاشرے کی بنیاد کو مستحکم کرتی ہیں۔

یہودیت میں خواتین کے معاشی حقوق کا نظام

یہودیت میں عورت کی معاشی حیثیت ایک ایسے مذہبی و قانونی نظام کے تحت متشکل ہوئی جو قبیلائی معاشرت، خاندانی مرکزیت اور نسلی تسلسل کو بنیادی قدر کے طور پر دیکھتا ہے۔ اس پس منظر میں عورت کو اگرچہ مکمل طور پر مرد کے مساوی معاشی خود مختاری نہیں دی گئی، تاہم اسے محض غیر فاعل یا بے اختیار وجود بھی نہیں سمجھا گیا۔ توراتی شریعت نے عورت کے لیے ملکیت، وراثت اور مالی تحفظ کی ایسی صورتیں متعین کیں جو اس دور کے عمومی سماجی معیارات کے مقابلے میں نسبتاً منظم اور ضابطہ بند تھیں۔

"اور اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کو لونڈی کے طور پر فروخت کرے..."[6]

یہ توراتی متن بادی النظر میں عورت کی معاشی خود مختاری کے بجائے اس کی مالی تبادلی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے، تاہم یہودیت کی داخلی قانونی روایت میں یہی مقام بعد ازاں حقوق کے تعین اور تحفظ کا سبب بنا۔ اس حکم کے ساتھ منسلک قیود، جیسے حسنِ سلوک، رہائش اور خوراک کی ضمانت، عورت

[6] The Torah, Exodus 21:7

کو مکمل تجارتی شے بننے سے روکتی ہیں اور اسے ایک محدود مگر تسلیم شدہ معاشی مقام عطا کرتی ہیں، جو قدیم معاشروں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔

"اور تم اس کی میراث اس کی بیٹی کو دے دو گے۔"[7]

بیٹیوں کو وراثت کا حق دینا، اگرچہ مشروط اور بعض حالات تک محدود تھا، تاہم یہ اصولی اعتراف اس بات کی دلیل ہے کہ یہودی شریعت عورت کو جائیداد سے مکمل طور پر محروم نہیں کرتی۔ بناتِ صلفحاد کا واقعہ یہودیت میں عورت کی قانونی آواز اور مالی حق کے استحقاق کی ایک نمایاں مثال ہے، جس نے بعد کے فقہی مباحث میں عورت کے حقِ ملکیت کو تقویت دی۔

The ketubah is not merely a marriage document but a financial safeguard for the woman.[8]

"کتوبہ محض ازدواجی دستاویز نہیں بلکہ عورت کے لیے ایک مالی ضمانت ہے۔"

یہودی ازدواجی معاہدہ (Ketubah) عورت کے معاشی تحفظ کا ایک مرکزی ستون ہے۔ اس کے ذریعے شوہر پر لازم کیا جاتا ہے کہ وہ طلاق یا وفات کی صورت میں بیوی کو طے شدہ رقم ادا کرے۔ یہ تصور مہر سے مشابہ ہے، تاہم اس کی نوعیت زیادہ قانونی اور عدالتی نفاذ کی حامل ہے، جو عورت کو ازدواجی عدمِ تحفظ سے بچانے کا مؤثر ذریعہ بنتی ہے۔

مائمونیڈیز (Maimonides) عورت کی کفالت کو شوہر کی بنیادی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے اس امر پر زور دیتے ہیں کہ عورت کی کمائی، اگر وہ حاصل کرے، تو اس پر اس کا ذاتی حق برقرار رہتا ہے، الا یہ کہ وہ رضاکارانہ طور پر اسے خاندانی نظام میں شامل کرے۔ اس موقف سے عورت کی محدود مگر واضح معاشی شخصیت سامنے آتی ہے، جو مکمل انحصار اور مکمل خودمختاری کے درمیان ایک توازن کی صورت اختیار کرتی ہے۔[9]

جدید یہودی مفکر جوزف ٹیلیوشکن کے مطابق عصری یہودی معاشروں میں عورت کے معاشی حقوق نے مذہبی روایت اور سیکولر قانون کے امتزاج سے نئی شکل اختیار کی ہے۔ اسرائیلی اور مغربی یہودی معاشروں میں عورت کو مکمل جائیداد، روزگار اور وراثت کے حقوق حاصل ہیں، تاہم مذہبی نکاح اور خاندانی قوانین اب بھی روایتی تصورات کی جھلک رکھتے ہیں، جس سے ایک دوہرا قانونی و اخلاقی نظام وجود میں آتا ہے۔[10]

یہ مجموعی تناظر واضح کرتا ہے کہ یہودیت میں خواتین کے معاشی حقوق نہ تو مطلق آزادی پر مبنی ہیں اور نہ ہی کامل محرومی پر۔ یہ ایک ایسا تدریجی اور ضابطہ بند نظام ہے جس میں عورت کو معاشی تحفظ، وراثت اور ازدواجی ضمانت تو حاصل ہے، مگر اس کی خودمختاری کو خاندانی اور نسلی استحکام کے اعلیٰ مقاصد کے تابع رکھا گیا ہے۔ یہی خصوصیت یہودی معاشی تصورِ نسواں کو دیگر الہامی مذاہب سے ممتاز بھی بناتی ہے اور تقابلی مطالعے کے لیے معنی خیز بھی۔ یہودیت، جو تورات اور تلمود کی آسمانی تعلیمات پر مبنی ہے، خواتین کی معاشی حیثیت کو ایک پیچیدہ اور تاریخی تناظر میں دیکھتی ہے۔ یہ مذہب، جو ابراہیمی روایت کا حصہ ہے، خواتین کو معاشی طور پر مردوں پر منحصر رکھتا ہے، لیکن بعض حقوق بھی عطا کرتا ہے جو قدیم معاشروں میں revolutionary تھے۔ تورات کی رو سے، خواتین کو ملکیت کا محدود حق حاصل ہے؛ وہ عام طور پر جائیداد کی مالک نہیں ہو سکتیں سوائے اس نادر صورت کے جب باپ کے بیٹے نہ ہوں اور وراثت انہیں ملے۔ تاہم، ایسی وراثت بھی قبیلے کے اندر شادی کی شرط سے مشروط ہے تاکہ زمین کی ملکیت قبیلے سے باہر نہ جائے۔ یہ نظام خاندانی اتحاد اور ملکیت کی حفاظت کو مقدم رکھتا ہے، جو خواتین کی معاشی خودمختاری کو ثانوی حیثیت دیتا

---

7 The Torah, Numbers 27:8
8 Encyclopaedia Judaica, "Ketubah" (Jerusalem: Keter Publishing, 1972), 10: 964
9 Maimonides, Moses, *Mishneh Torah* (Jerusalem: Mossad Harav Kook, 1957), Nashim: Ishut 12:2
10 Telushkin, Joseph, *Jewish Literacy* (New York: William Morrow, 1991), 642

ہے۔ تحقیقی اعتبار سے، یہودیت کی معاشی تعلیمات میں خواتین کی حیثیت کو تین عوامل متاثر کرتے ہیں: بائبلی اور تلمودی ورثہ، غیر یہودی معاشرے کا ماحول، اور یہودی خاندان کی معاشی صورتحال۔ تلمود، جو یہودیت کی زبانی روایت کا مجموعہ ہے، خواتین کے معاشی حقوق کو مزید واضح کرتا ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ شادی شدہ عورت کی کمائی اور ملکیت شوہر کی ملکیت شمار ہوتی ہے، لیکن وہ اپنے باپ یا بھائیوں سے حاصل شدہ جائیداد پر حق رکھ سکتی ہے۔ کیتوبہ (شادی کا معاہدہ) خواتین کے لیے معاشی تحفظ کی ضمانت ہے، جو طلاق یا بیوگی کی صورت میں مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ تاریخی طور پر، یہودیت میں خواتین کو کاروبار اور تجارت کی اجازت تھی، خاص طور پر گھریلو سطح پر، جیسے کپڑے بنانا یا چھوٹے پیمانے کی تجارت۔ تاہم، مرد کی سرپرستی لازم تھی، جو ان کی مالی آزادی کو محدود کرتی تھی۔ قرون وسطیٰ میں، اٹلی اور بحیرہ روم کے علاقوں میں یہودی خواتین نے معاشی طور پر فعال کردار ادا کیا؛ وہ اپنی دہیز کی جائیداد کا انتظام کرتیں، وراثت حاصل کرتیں، اور قرضہ جاتی بینکاری میں حصہ لیتیں۔ یہ روایت یہودی قانونی اصولوں کے برعکس تھی، جو خواتین کی معاشی خودمختاری کو محدود رکھتی تھی، لیکن معاشرتی بحرانوں میں یہ تبدیلیاں ضروری ہو گئیں۔ تحقیقی مطالعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی معاشروں میں جب امن اور خوشحالی ہوتی، تو خواتین کے حقوق محدود رکھے جاتے، لیکن بحرانوں میں انہیں معاشی آزادی دی جاتی تاکہ خاندان کی بقا یقینی بنے۔ معاصر یہودیت، خاص طور پر ریفارم اور کنزرویٹو شاخوں میں، خواتین کے معاشی حقوق کو جدید feministic لینز سے دیکھا جاتا ہے۔ بیسویں صدی کے بعد، یہودی خواتین کی تحریکوں نے معاشی مساوات کا مطالبہ کیا، جیسے برابر اجرت اور کام کی جگہ پر برابری۔ مثال کے طور پر، "Women of Reform Judaism" نے اجرت کی مساوات کے لیے جدوجہد کی، جو تورات کی تعلیم "انصاف کے ساتھ اجرت ادا کرو" پر مبنی ہے۔ لیکن آرتھوڈوکس یہودیت میں اب بھی روایتی پابندیاں موجود ہیں، جہاں خواتین کی معاشی حیثیت خاندانی ذمہ داریوں سے جڑی ہے۔ تحقیقی جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیت نے خواتین کو بعض حقوق دیے جو دیگر مذاہب میں نہیں تھے، جیسے طلاق کا حق شروع کرنا یا ازدواجی زیادتی کو جرم قرار دینا، جو بالواسطہ معاشی تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ نتیجتاً، یہودیت میں خواتین کے معاشی حقوق کا نظام ایک توازن ہے جو الٰہی حکم، تاریخی ماحول اور معاشرتی ضروریات سے تشکیل پاتا ہے۔ یہ نظام خواتین کو مکمل آزادی نہیں دیتا بلکہ خاندانی استحکام کو مقدم رکھتا ہے، جو ادبی اعتبار سے انسانی معاشرے کی پیچیدگیوں کا عکاس ہے۔ آج کی دنیا میں، یہ حقوق جدید انصاف کی طرف گامزن ہیں، جو یہودیت کی لچک کا مظہر ہے۔

عیسائیت میں خواتین کے معاشی حقوق کا تصور

عیسائیت میں عورت کے معاشی حقوق کا تصور بنیادی طور پر ایک ایسے روحانی تناظر میں تشکیل پاتا ہے جہاں دنیاوی معاملات کو نجاتِ اخروی کے تابع سمجھا گیا۔ اسی سبب معاشی خودمختاری، ملکیت اور وراثت جیسے مسائل انجیل کی تعلیمات میں براہِ راست قانونی صورت میں کم اور اخلاقی و روحانی اصولوں کی شکل میں زیادہ سامنے آتے ہیں۔ تاہم یہی اخلاقی بنیاد بعد کے کلیسائی اور قانونی نظاموں میں عورت کی معاشی حیثیت کے تعین کا محرک بنی، جس کے نتیجے میں عیسائی معاشروں میں عورت کے معاشی کردار نے تدریجی مگر گہرے اثرات مرتب کیے۔

For where your treasure is, there your heart will be also.[11]

"جہاں تمہارا خزانہ ہے وہیں تمہارا دل بھی ہو گا۔"

یہ انجیلی قول دولت کو مقصدِ حیات بنانے کے رجحان پر تنقیدی نگاہ ڈالتا ہے، جس کا اثر عورت اور مرد دونوں کے معاشی کردار پر یکساں پڑتا ہے۔ یہاں معاشی سرگرمی کی نفی نہیں بلکہ اس کی اخلاقی تحدید مقصود ہے، جس کے نتیجے میں عیسائیت نے عورت کی معاشی وابستگی کو حرصِ زر کے

[11] The Holy Bible, Matthew 6:21

بجائے ذمہ داری اور خدمت کے تصور سے جوڑ دیا۔ اسی زاویے نے عورت کو ایک اخلاقی معاشی فاعل کے طور پر متعارف کرایا، اگرچہ قانونی تفصیلات بعد کے ادوار میں تشکیل پائیں۔

For there is neither male nor female: for ye are all one in Christ Jesus.[12]

"نہ مرد باقی رہا ہے نہ عورت، کیونکہ تم سب مسیح یسوع میں ایک ہو۔"

یہ انجیلی اعلان روحانی مساوات کی ایسی بنیاد فراہم کرتا ہے جس نے صدیوں بعد سماجی اور معاشی مساوات کے مباحث کو تقویت دی۔ اگرچہ ابتدائی کلیسائی معاشروں میں عورت کو معاشی خودمختاری حاصل نہ تھی، تاہم اس اصول نے یہ نظری جواز پیدا کیا کہ جنس کی بنیاد پر معاشی اہلیت کی نفی مسیحی تعلیمات کے منافی ہے۔ یہی فکری بیج جدید عیسائی قانونی نظاموں میں عورت کے مساوی معاشی حقوق کی صورت میں پھل آور ہوا۔

سینٹ آگسٹین عورت کی حیثیت کو روحانی مساوات کے تناظر میں بیان کرتے ہوئے یہ واضح کرتے ہیں کہ اگرچہ سماجی نظم میں کردار مختلف ہو سکتے ہیں، مگر اخلاقی اور روحانی قدر میں کوئی تفریق نہیں۔ ان کا یہ تصور قرونِ وسطیٰ کی کلیسائی فکر میں عورت کی محدود معاشی حیثیت کو برقرار رکھنے کا باعث بھی بنا اور ساتھ ہی مستقبل کی اصلاحی تحریکوں کے لیے فکری اساس بھی فراہم کرتا رہا۔[13]

تھامس ایکویناس کے ہاں عورت کی معاشی خودمختاری براہِ راست موضوع نہیں بنتی، تاہم وہ ملکیت اور تصرف کو انسانی عقل اور اخلاقی ذمہ داری سے مربوط کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر عورت اخلاقی فاعلیت کی حامل ہے تو اصولی طور پر وہ مالی تصرف کی بھی اہل ہے، اگرچہ عملی سطح پر اس حق کو سماجی نظم کے تحت محدود کیا جاسکتا ہے۔ یہ نظریہ بعد کی عیسائی فقہی روایت میں عورت کی جزوی مگر مستحکم معاشی شمولیت کا سبب بنا۔[14]

جدید مغربی مفکر کیرن آرمسٹرانگ کے مطابق عیسائیت کے اندر عورت کے معاشی حقوق کا ارتقا مذہبی نصوص سے زیادہ تاریخی تجربے اور سماجی تبدیلیوں کے زیرِ اثر ہوا۔ صنعتی دور کے بعد مغربی عیسائی معاشروں میں عورت کی معاشی شرکت، جائیداد کی ملکیت اور وراثت کے حقوق کو مذہبی اخلاقیات کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایک نیا تطبیقی ماڈل تشکیل دیا گیا، جس میں ایمان اور جدید قانون ایک دوسرے کی نفی کے بجائے تکمیل کرتے نظر آتے ہیں۔[15]

اس مجموعی مطالعے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ عیسائیت میں عورت کے معاشی حقوق کا تصور براہِ راست قانونی احکام کے بجائے اخلاقی و روحانی مساوات سے جنم لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلیسائی تاریخ میں عورت کی معاشی خودمختاری محدود رہی، مگر جدید عیسائی معاشروں میں یہی اخلاقی اصول عورت کی مکمل معاشی شمولیت اور قانونی مساوات کی بنیاد بن گئے۔ اس طرح عیسائیت کا معاشی تصورِ نسواں ایک تدریجی مگر معنوی ارتقا کی نمائندگی کرتا ہے۔

عیسائیت، جو انجیل مقدس کی تعلیمات پر مبنی ہے، خواتین کی معاشی حیثیت کو ایک مقدس اور متوازن تناظر میں دیکھتی ہے۔ یہ مذہب، جو حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی آسمانی رسالت سے ماخوذ ہے، خواتین کو مردوں کے برابر خدا کی صورت پر پیدا شدہ قرار دیتا ہے، جو ان کی معاشی خودمختاری کی بنیاد ہے۔ انجیل کی رو سے، خواتین نہ صرف خاندانی ذمہ داریاں نبھاتی ہیں بلکہ معاشی میدان میں بھی فعال کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ تصور، جو عہد نامہ قدیم کی حکمت اور عہد نامہ جدید کی برابری کی تعلیمات سے ابھرتا ہے، خواتین کو جائیداد، تجارت اور مزدوری کے حقوق عطا کرتا ہے۔ تحقیقی اعتبار سے، مسیحیت نے قدیم رومی اور یونانی معاشروں میں خواتین کی معاشی کمزوری کو دور کیا، جہاں وہ غلامانہ حیثیت رکھتی

[12] The Holy Bible, Galatians 3:28
[13] Augustine, Aurelius, *De Civitate Dei* (Rome: Typis Vaticanis, 1475), 14:11
[14] Aquinas, Thomas, *Summa Theologiae* (Paris: Lethielleux, 1888), II–II, Q. 66
[15] Armstrong, Karen, *A History of Christianity* (London: Penguin Books, 2014), 289

تھیں۔ یہ حقوق الٰہی انصاف کی بنیاد پر استوار ہیں، جو معاشرتی توازن اور انسانی کرامت کی حفاظت کرتے ہیں۔ عہد نامہ قدیم میں خواتین کے معاشی حقوق کی جھلک Proverbs 31 میں نظر آتی ہے، جہاں ایک نیک عورت کو تجارت، جائیداد کی خرید و فروخت، اور انگور کے باغات کی نگرانی کرنے والی دکھایا گیا ہے۔ وہ اپنے خاندان کی کفالت کرتی ہے اور غریبوں کی مدد بھی، جو اس کی معاشی خودمختاری کا مظہر ہے۔ اسی طرح، Ruth کی کتاب میں ایک بیوہ عورت کو کھیتوں میں مزدوری کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، جو اس کی مالی آزادی کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ تعلیمات خواتین کو معاشی طور پر بااختیار بناتی ہیں، جہاں وہ نہ صرف گھریلو امور سنبھالتی ہیں بلکہ کاروباری فیصلے بھی کرتی ہیں۔ تاریخی طور پر، یہودیت سے ماخوذ یہ بنیادیں مسیحیت میں مزید پختہ ہوئیں، جہاں خواتین کو مردوں کی طرح خدا کی نعمتوں کا حصہ دار قرار دیا گیا۔ تحقیقی مطالعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقوق قدیم معاشروں میں revolutionary تھے، جہاں خواتین کی حیثیت صرف خاندانی اکائی تک محدود تھی۔ عہد نامہ جدید میں خواتین کے معاشی حقوق کی بنیاد Galatians 3:28 پر استوار ہے، جہاں فرمایا گیا ہے کہ "کوئی یہودی یا یونانی، غلام یا آزاد، مرد یا عورت کا فرق نہیں، کیونکہ تم سب مسیح میں ایک ہو"۔ یہ آیت خواتین کی معاشی اور سماجی برابری کی ضمانت ہے۔ حضرت عیسیٰ مسیح نے خواتین کے ساتھ برابری کا سلوک کیا؛ مثال کے طور پر، وہ Samaritan عورت سے بات چیت کرتے ہیں اور انہیں روحانی اور معاشی آزادی کا درس دیتے ہیں۔ Romans 16 میں Phoebe کو deacon اور benefactor کہا گیا ہے، جو خواتین کی مالی امداد اور قیادت کو تسلیم کرتی ہے۔ Ephesians 5 میں ازدواجی برابری کی تاکید ہے، جہاں شوہر اور بیوی دونوں کو باہمی احترام کا حکم دیا گیا ہے، جو معاشی فیصلوں میں بھی برابری کا تقاضا کرتی ہے۔ تاہم، بعض آیات جیسے 1 Corinthians 14:34-35 میں خواتین کو چرچ میں خاموش رہنے کا حکم ہے، جو تاریخی تفاسیر میں ان کی معاشی خودمختاری کو محدود کر سکتی ہیں۔ تحقیقی جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ مسیحیت نے خواتین کو اسقاط حمل اور انفنٹی سائیڈ کی مخالفت سے زندہ رہنے کا حق دیا، جو ان کی معاشی شرکت کی بنیاد ہے۔ تاریخی تناظر میں، مسیحیت نے خواتین کی معاشی حیثیت کو بلند کیا؛ قدیم روم میں جہاں خواتین کو جائیداد کا حق نہیں تھا، مسیحی تعلیمات نے انہیں وراثت اور تجارت کی آزادی دی۔ قرون وسطیٰ اور جدید دور میں، مسیحی تحریکوں نے خواتین کی تعلیم اور کام کی جگہ پر برابری کی جدوجہد کی، جیسے women's suffrage movement میں مسیحی خواتین کا کردار۔ معاصر مسیحیت، خاص طور پر Protestant اور Catholic شاخوں میں، خواتین کو کاروبار، بینکاری اور قیادت کے میدانوں میں برابر حقوق دیتی ہے، جو بائبل کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ ادبی اعتبار سے، یہ تصور خواتین کو ایک بااختیار اور مقدس وجود بناتا ہے، جو معاشرے کی ترقی کا ضامن ہے۔ عیسائیت میں خواتین کے معاشی حقوق کا تصور الٰہی برابری اور انسانی کرامت پر قائم ہے، جو انہیں معاشی آزادی اور خاندانی استحکام عطا کرتا ہے۔ یہ نظام، جو بائبل کی حکمت سے ماخوذ ہے، معاشرتی انصاف کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور خواتین کو خدا کی نعمت کا مکمل حصہ دار بناتا ہے۔

اسلام میں خواتین کے معاشی حقوق کا جامع نظام

اسلام میں عورت کے معاشی حقوق ایک ایسے ہمہ گیر نظام کا حصہ ہیں جو انسان کو محض معاشی اکائی نہیں بلکہ اخلاقی، قانونی اور سماجی ذمہ داریوں کا حامل وجود قرار دیتا ہے۔ اسی لیے عورت کی مالی حیثیت نہ تو کسی ثانوی رعایت کا نتیجہ ہے اور نہ ہی مرد کے توسط سے عطا کردہ امتیاز، بلکہ یہ ایک مستقل قانونی شناخت رکھتی ہے جو وحی کی نصوص میں واضح طور پر متعین کی گئی ہے۔ اس نظام میں حق اور ذمہ داری کو اس طرح مربوط کیا گیا ہے کہ فرد کی معاشی آزادی خاندانی اور سماجی توازن کو منہدم نہ کرے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ[16]

[16] Al-Qurʾān, Sūrat al-Nisāʾ 4:7

"مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی اس میں حصہ ہے۔"

یہ قرآنی اسلوب عورت کی معاشی شناخت کو کسی شرط یا تمہید کے بغیر تسلیم کرتا ہے۔ یہاں عورت کا ذکر بطورِ مستقل وارث آنا اس حقیقت کو راسخ کرتا ہے کہ مالی اہلیت جنس سے مشروط نہیں بلکہ انسان ہونے کی بنا پر مسلم ہے۔ اس اصول نے قبلِ اسلام معاشروں میں عورت کی معاشی بے دخلی کو ختم کر کے ایک ایسا قانونی معیار قائم کیا جو بعد کے فقہی نظام کی اساس بنا۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً[17]

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔"

مہر کا تصور عورت کو ازدواجی معاہدے میں محض فریق نہیں بلکہ حق دار بناتا ہے۔ یہ رقم شوہر کی طرف سے عطیہ نہیں بلکہ عورت کا واجب حق ہے، جس پر اس کا مکمل تصرف تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ نان و نفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد کر کے عورت کی ذاتی ملکیت کو خاندانی اخراجات سے محفوظ رکھا گیا، جو اسلامی معاشی عدل کی ایک نمایاں صورت ہے۔

إنَّ دِماءَكُم وأموالَكُم وأعراضَكُم عليكم حرام[18]

"تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر حرام ہیں۔"

یہ نبوی اعلان انسانی جان کے ساتھ مال کو بھی حرمت کے دائرے میں داخل کرتا ہے، جس میں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں۔ اس سے عورت کی مالی ملکیت کو وہی تقدس حاصل ہوتا ہے جو مرد کی ملکیت کو حاصل ہے، اور کسی بھی جبر یا تصرفِ بلا اجازت کو اخلاقی و قانونی جرم قرار دیا جاتا ہے۔

امام شاطبی مقاصدِ شریعت کے باب میں مال کے تحفظ کو بنیادی مقصد قرار دیتے ہوئے یہ نکتہ واضح کرتے ہیں کہ شریعت کی نگاہ میں عورت کا مال بھی اسی درجے میں محفوظ ہے جس درجے میں مرد کا۔ ان کے نزدیک وراثت میں تفاوت عددی عدمِ مساوات نہیں بلکہ ذمہ داری کے فرق پر مبنی عدل ہے، جو معاشی توازن کو برقرار رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔[19]

معاصر مسلم مفکر یوسف القرضاوی کے مطابق کلاسیکی فقہ نے عورت کی معاشی خود مختاری کو اصولی طور پر تسلیم کیا، جبکہ جدید تعبیرات نے اس خود مختاری کو عصری معاشی ڈھانچوں، مثلاً ملازمت، تجارت اور سرمایہ کاری، سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کا اصل امتیاز یہ ہے کہ وہ عورت کو معاشی طور پر بااختیار بناتے ہوئے اسے کفالت کے جبر میں قید نہیں کرتا اور نہ ہی اسے خاندانی ذمہ داریوں سے منقطع کرتا ہے۔[20]

اس پورے تناظر سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ اسلام میں خواتین کے معاشی حقوق ایک مربوط اور ہم آہنگ نظام کا حصہ ہیں، جہاں ذاتی ملکیت، وراثت، کفالت اور ذمہ داری سب ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہی توازن اسلامی ماڈل کو محض مساوات کے نعروں سے ممتاز کر کے عدلِ معاشی کی ایک زندہ مثال بناتا ہے، جو کلاسیکی فقہ سے لے کر معاصر تعبیرات تک اپنی معنوی قوت برقرار رکھتا ہے۔ اسلام، جو قرآن مجید

[17] Al-Qurʾān, Sūrat al-Nisāʾ 4:4
[18] Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī* (Cairo: al-Maṭbaʿa al-Salafiyya, 1311 AH), 1: 67
[19] Al-Shāṭibī, Ibrāhīm ibn Mūsā, *Al-Muwāfaqāt* (Cairo: Dār al-Maʿrifa, 1341 AH), 2: 8
[20] Al-Qaraḍāwī, Yūsuf, *Fiqh al-Marʾa al-Muslima* (Cairo: Dār al-Shurūq, 1996), 153

اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانی ہدایات پر مبنی ہے، خواتین کی معاشی حیثیت کو ایک جامع اور متوازن نظام کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ یہ نظام، جو الٰہی عدل و انصاف کی بنیاد پر استوار ہے، خواتین کو مالی خود مختاری، ملکیت اور وراثت کے حقوق عطا کرتا ہے، جو قبل از اسلام عرب معاشرے میں ناممکن تھا۔ تحقیقی اعتبار سے، اسلام نے خواتین کی معاشی بااختیاری کو ایک revolutionary قدم کے طور پر متعارف کیا، جہاں وہ نہ صرف مالک بن سکتی ہیں بلکہ اپنے مالی معاملات کو آزادانہ طور پر سنبھال سکتی ہیں۔ یہ حقوق الٰہی حکم کی صورت میں نافذ ہیں، جو معاشرتی توازن اور انسانی کرامت کی ضمانت دیتے ہیں۔ ملکیت کا حق اسلام میں خواتین کی معاشی آزادی کی بنیاد ہے۔ البقرہ کی آیت ۲۲۸ خواتین کو مردوں کے برابر حقوق دیتی ہے۔ وہ جائیداد خرید و فروخت کر سکتی ہیں، سرمایہ کاری کر سکتی ہیں، اور اپنی کمائی پر مکمل اختیار رکھتی ہیں۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عورت اپنے مال کی مالک ہے"، جو اس کی مالی خود مختاری کو تسلیم کرتی ہے۔ تاریخی طور پر، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت اس کی مثال ہے، جو اسلام سے پہلے اور بعد میں جاری رہی۔ تحقیقی مطالعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے خواتین کو مالی معاملات میں مردوں سے الگ حیثیت دی، جو انہیں معاشی بحرانوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ نان نفقہ اور مہر جیسے حقوق اس نظام کو مزید مستحکم کرتے ہیں؛ مہر شادی کے وقت ادا کیا جاتا ہے، جو خواتین کا خالص حق ہے، اور نان نفقہ مرد کی ذمہ داری ہے، جو خواتین کو مالی بوجھ سے آزاد رکھتا ہے۔ وراثت کا نظام اسلام میں خواتین کے معاشی حقوق کا مرکزی ستون ہے۔ قرآن میں تفصیلی احکامات ہیں، جہاں بیٹی کو باپ کی وراثت میں نصف حصہ ملتا ہے، لیکن یہ نصف مرد کی مالی ذمہ داریوں (جیسے خاندان کی کفالت) کی تلافی ہے۔ اگر بیٹے نہ ہوں تو بیٹی کو زیادہ حصہ ملتا ہے، اور بعض صورتوں میں عورت مرد سے زیادہ حصہ حاصل کر سکتی ہے۔ تحقیقی جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نظام gender rivalry پر نہیں بلکہ معاشی ذمہ داریوں پر مبنی ہے۔ مثال کے طور پر، ماں، بیٹی، بہن اور بیوی سب کو مقررہ حصے ملتے ہیں، جو انہیں معاشی طور پر محفوظ بناتے ہیں۔ قبل از اسلام، خواتین کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا، لیکن اسلام نے اسے الٰہی حق قرار دیا۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص عورت کو اس کے وراثتی حق سے محروم کرے، اللہ اسے جنت سے محروم کر دے گا"۔ یہ تاکید خواتین کی معاشی حفاظت کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ کاروبار اور تجارت میں خواتین کی شرکت اسلام کی طرف سے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ قرآن کی آیت "لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ" (سورۃ النساء: ۲۹) حلال تجارت کی تاکید کرتی ہے، جو خواتین پر بھی ہے۔ معاصر تناظر میں، اسلامی ممالک میں خواتین کی معاشی شرکت بڑھ رہی ہے، جو اس نظام کی لچک کا مظہر ہے۔ ادبی اعتبار سے، یہ حقوق خواتین کو ایک بااختیار اور مقدس وجود بناتے ہیں، جو معاشرے کی بنیاد کو مستحکم کرتے ہیں۔ اسلام میں خواتین کے معاشی حقوق کا جامع نظام الٰہی عدل کی بنیاد پر قائم ہے، جو انہیں مالی آزادی، تحفظ اور برابری عطا کرتا ہے۔ یہ نظام نہ صرف تاریخی revolution ہے بلکہ معاصر معاشروں کے لیے بھی مثالی ہے، جو انسانی ترقی کا ضامن ہے۔

الہامی مذاہب کے تناظر میں خواتین کے معاشی حقوق کے معاصر اطلاقات

عصرِ حاضر میں خواتین کے معاشی حقوق کا مسئلہ محض فقہی یا مذہبی دائرے تک محدود نہیں رہا، بلکہ یہ جدید قانونی نظاموں، عالمی معاشی ڈھانچوں اور انسانی حقوق کے بیانیے کے ساتھ براہِ راست مربوط ہو چکا ہے۔ اس تناظر میں الہامی مذاہب کی تعلیمات ایک ایسی اخلاقی اساس فراہم کرتی ہیں جو قانون سازی کو محض طاقت یا عددی مساوات کے بجائے انسانی وقار، خاندانی استحکام اور سماجی توازن سے جوڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاصر دنیا میں الہامی اصولوں کی از سرِ نو تعبیر ناگزیر فکری ضرورت بن چکی ہے۔

O you who believe! Stand out firmly for justice, as witnesses to God.[21]

[21] Al-Qurʾān, Sūrat al-Nisāʾ 4:135

"اے ایمان والو! عدل پر مضبوطی سے قائم رہو، اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو۔"

یہ قرآنی اعلان جدید قانونی نظاموں کے لیے ایک اخلاقی میزان فراہم کرتا ہے، جس کے تحت عورت کے معاشی حقوق کو محض مساواتِ عددی کے بجائے عدلِ عملی کے پیمانے پر پرکھا جاتا ہے۔ اسی اصول نے کئی مسلم ممالک میں وراثت، ملکیت اور مالی تحفظ سے متعلق قوانین کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی فکری بنیاد فراہم کی، جہاں عورت کی معاشی خودمختاری کو خاندانی نظام سے متصادم نہیں بلکہ اس کا محافظ سمجھا گیا۔

If anyone is not willing to work, let him not eat.[22]

"جو کام کرنا نہ چاہے، وہ کھانے کا حق دار بھی نہیں۔"

یہ پولسی تعلیم معاشی ذمہ داری کو اخلاقی قدر کے طور پر پیش کرتی ہے، جس کا اطلاق عورت اور مرد دونوں پر ہوتا ہے۔ جدید عیسائی معاشروں میں اسی تصور نے عورت کی معاشی شمولیت کو اخلاقی جواز فراہم کیا، تاہم اس کے ساتھ خاندانی تعاون اور باہمی کفالت کی اقدار کو بھی برقرار رکھا گیا، جو خالص سیکولر انفرادیت کے تصور سے مختلف سمت اختیار کرتی ہیں۔

یہودی فکری روایت میں جدید قانونی ڈھانچوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش اس امر کی غماز ہے کہ مذہبی اقدار کو ترک کیے بغیر عورت کو مکمل معاشی تحفظ فراہم کیا جا سکتا ہے۔ اسرائیلی قانون میں Ketubah کی عدالتی حیثیت اور عورت کے مالی دعووں کا نفاذ اس بات کی مثال ہے کہ الہامی روایت جدید ریاستی قانون میں ضم ہو کر ایک عملی ماڈل تشکیل دے سکتی ہے۔[23]

معاصر مسلم مفکر فضل الرحمن کے نزدیک اصل چیلنج یہ نہیں کہ الہامی تعلیمات جدید معاشی تصورات سے متصادم ہیں، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ ان تعلیمات کو جامد فقہی سانچوں میں مقید کر دیا گیا ہے۔ ان کے مطابق جب مقاصدِ شریعت کو بنیاد بنا کر تعبیر کی جائے تو عورت کی معاشی خودمختاری، روزگار اور ملکیت جیسے مسائل جدید دنیا میں پوری معنویت کے ساتھ قابلِ عمل ہو جاتے ہیں۔[24]

سیکولر معاشی فکر میں عورت کی آزادی کو اکثر خاندانی وابستگی سے نجات کے مترادف سمجھا جاتا ہے، جبکہ الہامی مذاہب اس آزادی کو اخلاقی ذمہ داری اور سماجی ربط کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ یہی فرق مسلم اور غیر مسلم معاشروں میں عملی تفاوت کو جنم دیتا ہے، جہاں ایک طرف معاشی خودمختاری فرد کو تنہا کر دیتی ہے اور دوسری طرف اسے خاندانی ڈھانچے کے اندر تحفظ اور وقار عطا کرتی ہے۔ اس تقابلی صورتِ حال نے بین المذاہب مکالمے کو ایک نئے مرحلے میں داخل کر دیا ہے، جہاں سوال محض حقوق کا نہیں بلکہ انسانی معاشرے کی ساخت کا ہے۔[25]

ان مباحث کے تناظر میں یہ امر نمایاں ہوتا ہے کہ الہامی مذاہب خواتین کے معاشی حقوق کو نہ تو محض ماضی کی روایت سمجھتے ہیں اور نہ ہی غیر مشروط جدیدیت کے تابع کرتے ہیں۔ ان کی معاصر تطبیق ایک ایسے متوازن راستے کی نشاندہی کرتی ہے جہاں عورت کی معاشی خودمختاری خاندانی استحکام، اخلاقی اقدار اور سماجی عدل کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر ایک پائیدار انسانی معاشرہ تشکیل دیتی ہے۔ یہی پہلو الہامی معاشی فکر کو عصری چیلنجز کے باوجود فکری طور پر زندہ اور معنوی طور پر مؤثر بناتا ہے۔

[22] The Holy Bible, 2 Thessalonians 3:10
[23] Elon, Menachem, *Jewish Law: History, Sources, Principles* (Philadelphia: Jewish Publication Society, 1994), 2: 880
[24] Rahman, Fazlur, *Islam and Modernity* (Chicago: University of Chicago Press, 1982), 52
[25] Taylor, Charles, *A Secular Age* (Cambridge: Harvard University Press, 2007), 423

خلاصہ کلام

تقابلی تجزیے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت میں خواتین کے معاشی حقوق کے اصول موجود ہیں، تاہم ہر مذہب نے انہیں مختلف انداز میں نافذ کیا۔ اسلام میں قرآن و سنت کے مطابق عورت کو وراثت، ملکیت اور مالی تصرف کے واضح حقوق دیے گئے ہیں۔ مہر، نان و نفقہ اور وراثت کے اصول عورت کی مالی خود مختاری کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور خاندانی و سماجی ذمہ داری کے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔ عیسائیت میں اخلاق اور روحانی مساوات کے اصول عورت کی معاشی شمولیت کو جائز قرار دیتے ہیں، اگرچہ عملی طور پر تاریخی طور پر محدودیت رہی۔ یہودیت میں Ketubah اور وراثتی قوانین نے عورت کو قانونی و ازدواجی تحفظ دیا، لیکن خاندانی نظام اور نسبی ترتیب کے پیش نظر بعض حد بندیوں کے ساتھ۔ تقابلی جائزے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی معاشی خود مختاری اور خاندانی استحکام ایک دوسرے کے متضاد نہیں بلکہ مربوط ہیں۔ ہر مذہب نے معاشی حقوق کو ذمہ داری، تحفظ اور اخلاقی رہنمائی کے ساتھ جوڑا، تاکہ عورت کو مالی طور پر فعال بناتے ہوئے سماجی توازن بھی برقرار رہے۔ عصری دنیا میں سیکولر قوانین اور بین المذاہب تعامل نے عورت کی مالی خود مختاری کو مزید عملی بنایا ہے، جبکہ مذہبی اصول اس کی فکری اور اخلاقی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ خواتین کے معاشی حقوق ایک مربوط، اخلاقی، قانونی اور سماجی نظام کا حصہ ہیں، جو عصری چیلنجز کے باوجود عملی اور مؤثر رہتے ہیں۔ یہ جائزہ نہ صرف فرق و مماثلت کو واضح کرتا ہے بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ مذہبی تعلیمات اور جدید معاشرتی قوانین کو ہم آہنگ کر کے خواتین کی مالی خود مختاری کو مؤثر اور پائیدار بنایا جا سکتا ہے۔ اس تناظر میں الہامی نصوص عورت کو محض سماجی کردار میں محدود کرنے کے بجائے ایک آزاد، ذمہ دار اور مالی طور پر فعال فرد کے طور پر تسلیم کرتی ہیں، جو عصری معاشی ڈھانچے میں بھی اپنی افادیت رکھتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography / کتابیات

- Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl. *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*. Cairo: al-Maṭbaʿa al-Salafiyya, 1311 AH.
- Al-Qaraḍāwī, Yūsuf. *Fiqh al-Marʾa al-Muslima*. Cairo: Dār al-Shurūq, 1996.
- Al-Qushayrī, Abū al-Ḥusayn Muslim ibn al-Ḥajjāj. *Ṣaḥīḥ Muslim*. Nishāpūr: Dār al-Khilāfa al-ʿIlmiyya, 1330 AH.
- Al-Rāzī, Fakhr al-Dīn. *Al-Tafsīr al-Kabīr*. Cairo: Dār al-Fikr, ca. 1324 AH.
- Al-Shāṭibī, Ibrāhīm ibn Mūsā. *Al-Muwāfaqāt*. Cairo: Dār al-Maʿrifa, 1341 AH.
- Aquinas, Thomas. *Summa Theologiae*. Paris: Lethielleux, 1888.
- Armstrong, Karen. *A History of Christianity*. London: Penguin Books, 2014.
- Augustine, Aurelius. *De Civitate Dei*. Rome: Typis Vaticanis, 1475.
- *Encyclopaedia Judaica*. "Ketubah." Vol. 10. Jerusalem: Keter Publishing, 1972.
- Elon, Menachem. *Jewish Law: History, Sources, Principles*. Vol. 2. Philadelphia: Jewish Publication Society, 1994.
- Ibn ʿĀshūr, Muḥammad al-Ṭāhir. *Maqāṣid al-Sharīʿa al-Islāmiyya*. Tunis: Dār al-Suḥnūn, 1946.
- Maimonides, Moses. *Mishneh Torah*. Jerusalem: Mossad Harav Kook, 1957.
- Rahman, Fazlur. *Islam and Modernity*. Chicago: University of Chicago Press, 1982.
- Taylor, Charles. *A Secular Age*. Cambridge, MA: Harvard University Press, 2007.
- Telushkin, Joseph. *Jewish Literacy*. New York: William Morrow, 1991.